غمِ حسینؑ

اور

تزکیۂ نفس

شبیر بلگرامی

غمِ حسینؑ
اور
تزکیۂ نفس

شبیر بلگرامی

نذر

یہ کتابچہ اللہ کے اُس نورِ مجسّمؐ کی نذر ہے جس کا انتظار غمِ حسینؑ میں رونے والی ہر آنکھ کر رہی ہے۔

شبیر بلگرامی

کتاب .... غم حسین اور تزکیۂ نفس
مصنف ....
ایڈیشن .... دوم
سن اشاعت ۲۰۰۶ء
تعداد ۱۰۰۰
کمپوزنگ .... رضا رضوی
ناشر ....
پرنٹرز .... صائمہ پرنٹرز
0300-2196927

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؀

غمِ حسینؑ اور تزکیۂ نفس

واقعہ کربلا کے متعلق سب سے پہلے تو یہ طے ہو جانا چاہئے کہ امامؑ عالی مقام اپنے اور اپنے اعزّہ وانصار کے لئے ہلاکت وتباہی کے اس راستہ کا انتخاب کرنے میں آزاد تھے یا مجبور۔ یعنی آپؑ نے شہادت برضا ورغبت قبول کی یا ایک سفاک حکمران کے سامنے انھوں نے خود کو حالات سے مجبور ہو کر ہلاکت وتباہی کے حوالہ کر دیا۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ وہ مجبور تھے اور ایک ظالم حکمران کے ہاتھوں موت سے بچ ہی نہیں سکتے تھے تو ہمارا یہ مفروضہ تو دین کی بنیادیں ہی ہلا دے گا اس لئے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ ان اللّٰہ مع الصّبرین۔ ان اللّٰہ مع المتقین۔ یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ متّقیوں کے ساتھ ہے۔ پھر اسی کتاب میں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ انتم الا علون ان کنتم مومنین یعنی تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو گے۔

تو اب سوال یہ پیدا ہو گا کہ امامؑ عالی مقام صابرین، متّقین اور مومنین میں سے تھے یا نہیں تھے؟ اگر نہیں تھے تو پھر نبی کریم صلعم کا ان کے متعلق یہ اعلان کہ الحسن والحسین سید شباب اہل

الجنۃ' نعوذ باللہ لغو ہو جائے گا۔ یہ خیال تو تصوّرِ رسالت ہی کو ملیا میٹ کر دے گا اور کوئی مسلمان اس خیال سے اتفاق کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔

لہٰذا، لامحالہ ہمیں ماننا پڑے گا کہ امام عالی مقام صابرین، متقین اور مومنین میں سے تھے۔ اگر تھے تو اللہ اُن کے ساتھ تھا۔ اگر ساتھ تھا تو پھر اسے قرآن میں کیا ہوا اپنا وعدہ وفا کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ہمیں اس وعدہ وفائی کی کربلا میں کہیں کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ تو پھر کیا ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ نعوذ باللہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور وہ امامؑ عالی مقام کو بے یار و مددگار ذبح ہوتا ہوا دیکھتا رہا۔ یہ بھی ایک ایسی صورت حال ہے جسے کوئی مسلمان کسی طور ماننے پر تیار نہ ہوگا۔ اس سے تو خدا کی خدائی کا تصور ہی کالعدم ہو جائے گا۔ بھلا ایسے خدا کو کون مانے گا جو وعدہ تو کرتا ہے، نباہتا نہیں ہے۔ جو اپنے صابر، متقی اور مومن بندوں کو ظالم، جابر اور بے ایمان بندوں کے ہاتھوں مروا دیتا ہے یا پھر یہ ہے کہ وہ یہ سارا سانحہ ایک بے بس اور خاموش تماشائی کی طرح دیکھتا رہتا ہے اور اُن کی کسی طرح کوئی مدد نہیں کر پاتا جن کی مدد کرنے کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ نہیں۔ یہ بات بھی دل نہیں مانتا۔ عقل سلیم اسے تسلیم نہیں کرتی۔ عقل کہتی ہے کہ اللہ بھی حق ہے اور اس کا رسولؐ بھی حق ہے۔ اس صورت حال میں ہم اگر اللہ کی الوہیّت اور رسولؐ اللہ کی رسالت کو بچا سکتے ہیں تو بس ایک ہی راستہ ہے کہ ہم تسلیم کریں کہ امامؑ عالی مقام نے شہادت برضا و رغبت قبول کی۔

جیسے ہی ہم یہ کہیں گے ویسے ہی ہمارے اس بیان سے بہت سے دوسرے شکوک و شبہات سر اٹھائیں گے اور کئی دوسری پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ مثلاً بھلا یہ بات سمجھ میں کیسے آئے گی کہ اللہ کی پوری تائید اور حمایت تو حاصل ہے مگر ہم مصیبتیں جھیلیں گے اور مر مٹیں گے۔ یہ فیصلہ نعوذ باللہ کیا خودکشی کے مترادف نہیں ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود تو خود،

اپنے تمام صحابیوں، رشتہ داروں، کڑیل جوانوں اور معصوم نونہالوں کو بھی کٹوا دیں گے۔ اور یہ سب کون کرے گا؟ نواسۂ رسولؐ؟ معصوم امام؟ جنّت کے جوانوں کا سردار؟ آغوشِ رسولؐ کا پروردہ؟ بتولؑ عذرا کا تربیت کردہ؟ نہیں۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ کوئی مسلمان کسی صورت یہ مان ہی نہیں سکتا۔ اس سے تو امامت کی بنیاد ہی ہل جائیگی۔

تو پھر کیا کریں؟ حقیقت کیسے معلوم ہو؟

آیئے درِ رسولؐ پر چلتے ہیں۔

پہلے تو یہ دیکھیں کہ بعثت رسولؐ کا مقصد کیا تھا؟ آپ ہم گنہگاروں کے درمیان کس مقصد کے حصول کے لئے بھیجے گئے تھے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات بتاتی ہیں کہ آپ صلعم کی رسالت کا اہم مقصد "نفوس انسانی کا تزکیہ کرنا تھا"۔

مثلاً سورہ جمعہ کی آیت نمبر ٢۔

"وھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیتہ و یزکیھم۔۔۔۔۔۔۔" (سورۂ جمعہ۔ آیت۔ نمبر: ٢)

ترجمہ:۔ "وہی ہے جس نے امیّین میں انھیں میں سے رسول بھیجا جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

مناسب ہوگا اگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس منزل پر یہ دو باتیں سمجھ لیں۔ اوّل یہ کہ نفس کیا ہے اور دوم یہ کہ یہ ہوش میں ہے یا بیہوش ہے؟

دیکھئے اگر میں کسی سے پوچھوں کہ آپ کا نام کیا ہے؟ تو وہ کہے گا۔ "میرا نام یہ ہے" پھر پوچھوں کہ آپ گرم یا ٹھنڈا کیا پینا پسند کریں گے؟ تو وہ کہے گا "گرمی ہے۔ دل چاہ رہا ہے کہ شربت پیوں"۔ مگر یہی شخص جب مر جاتا ہے تو میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیتا

حالانکہ وہ وہی ہے اور اس کا جسم اور دل بھی وہی ہیں۔ اگر اس کا جسم اور دل ہی در حقیقت اس کی ''میں'' ہوتا تو وہ اب بھی جواب دیتا مگر اس کی ''میں'' اسے چھوڑ کر جا چکی ہے۔ وہ مر چکا ہے۔ یہی ''میں'' نفس ہے۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ نفس روح نہیں ہے۔ نفس کے لئے موت ہے مگر روح کے لئے موت نہیں ہے۔

۱) یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسنؑ سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے

۲) فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے
اقبالؔ

انسان کے مادّی جسم کے اندر نفس، گیس کا ایک جسم ہے جو مادّی جسم میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح پانی میں بھیگے ہوئے کسی کپڑے کے ہر ریشہ میں پانی سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔ نفس مادّی النہاد، پست، حقیر اور ذلیل ہے جبکہ روح قدسی الاصل، رفیع الدرجات اور پاکیزہ ہے۔ نفس ہمیشہ پست اور مادّی خواہشات کو جنم دیتا ہے جبکہ روح ہمیشہ عالمِ قُدس میں بلند سے بلند تر ہونا چاہتی ہے۔ مختصر یہ کہ وہ سب کچھ جو ہمیں جسمانی اور ذہنی طور پر پستی کی طرف کھینچتا ہے اسی نفس کی وجہ سے ہے جس کی جڑیں مادّے اور مادّی اشیاء میں پیوست ہیں۔ نفس میں ان مادّی اشیا کے حصول کی تحریک دو طرح کے محرّکات سے ہوتی ہے۔ ایک داخلی محرّکات ہوتے ہیں اور دوسرے خارجی۔ داخلی محرّکات سے بھوک، پیاس اور نیند کا احساس ہوتا ہے۔ اس احساس سے کھانے، پینے اور سونے کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے۔

داخلی محرّکات سے پیدا ہونے والی ان خواہشات کو قرآن میں ''شهوات'' کہا گیا ہے۔

خارجی محرّکات مثلاً کوئی خوش نما محل، کوئی چاند سا چہرہ، چمکتے اور دمکتے ہوئے زیورات اور جواہرات وغیرہ۔ یہ محرّکات ان اشیاء کو جائز و ناجائز ہر طریقہ سے حاصل کر لینے کی شدید خواہش پیدا کرتے ہیں۔ خارجی محرّکات سے پیدا ہونے والی ان خواہشات کو قرآن میں ''هویٰ'' کہا گیا ہے۔

یہ شہوات وھویٰ اسی طرح شمار سے باہر ہیں جس طرح ان کے داخلی اور خارجی محرّکات شمار سے باہر ہیں۔ ان کو نہ گنا جا سکتا ہے نہ ان کی کوئی حد مقرر کی جا سکتی ہے۔ ان کی لہریں ہر لمحہ نفس پر اُمنڈ اُمنڈ کر آتی ہیں اور اُس کو اپنی گرفت میں رکھتی ہیں۔ نفس ہمیں حکم دیتا ہے کہ ان خواہشات کی تکمیل فی الفور کی جائے اور اس عمل میں عقل کو دخل دینے کی نہ مہلت دی جائے اور نہ اجازت۔ المیہ یہ ہے کہ یہی نفس جو پست اور مادّی خواہشات کی گرفت میں ہے ہم پر ہر آن حکم چلا رہا ہے اور ہم بے بس محکوموں کی طرح اس کے ہر حکم کو بے چون و چرا اور بے سوچے سمجھے پورا کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ تو صرف ذات باری ہی کا حق ہے کہ اس کے ہر حکم کو بے چون و چرا اور بے سوچے سمجھے پورا کیا جائے اِس لئے کہ وہ عقلِ کُل کا خالق اور ہمارا حافظ و نگہبان ہے۔ ہم اس کے ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ وہ حیّ وقیّوم ہے۔ اس پر اونگھ اور نیند طاری نہیں ہوتی۔ نہ ہی وہ شہوات وھویٰ کی گرفت میں آ کر مغلوب ہوتا ہے۔ وہ ہمارا محافظ و ناصر و نگہبان ہے مگر ہم نے اس کا مرتبہ و مقام نفس کو دے دیا ہے اور اس کو اپنا حاکمِ اعلیٰ بنا لیا ہے۔ یہی شرک اور نفس کی نجاست ہے۔ اس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

اَرَءَ یۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡهِ وَکِیۡلًا ۝

(سورۂ الفرقان۔ آیت نمبر:۴۳)

ترجمہ:۔ اے نبیؐ کیا آپ اسے دیکھتے ہیں جس نے اپنی ہوائے نفس (حقیر خواہشات) ہی کو اپنا الہ بنالیا ہے آپؐ اس کی وکالت کیسے کر سکتے ہیں۔

حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ:

"اِنَّ اَکْبَرَ مَعْبُوْدٍ عُبِدَفِی الدُّنْیَا اَلْھَوٰی"

ترجمہ:۔ وہ سب سے بڑا معبود جس کی دنیا میں پرستش کی جاتی ہے ہوائے نفس ہے۔

تو یہ ہے نفس اور یہ ہے ہمارے ساتھ اُس کا رویّہ۔

اب ہم یہ دیکھیں کہ یہ نفس جو ہم پر ایسے جابرانہ احکامات جاری کر رہا ہے، ہوش میں بھی ہے کہ بیہوش ہے۔

نفس کے پاس پانچ حواس ہیں جن کے ذریعہ یہ مادّی اشیاء کا علم حاصل کرتا ہے یعنی دیکھنا، سننا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا۔ اس کے پاس ایک ناپیدہ کنار، وسیع وعریض مخفی گودام ہے جس میں اس نے ہر دیکھی، سنی، سونگھی، چکھی اور چھوئی ہوئی چیز کا ریکارڈ جمع کیا ہوا ہے اور ہر آن ہر نئے علم کو اس میں ذخیرہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ بعد میں جب کوئی چہرہ یا نقش، آواز، بُو، مزہ یا شے سامنے آتی ہے یا اس کا حوالہ دیا جاتا ہے تو نفس اپنے اسی گودام میں جاتا ہے اور اس میں پہلے سے ذخیرہ کئے ہوئے ریکارڈ کو کھنگالتا ہے اور سیکنڈ کے ہزارویں حصّہ یا اس سے بھی کم میں سامنے والی چیز کو پہلے سے ذخیرہ شدہ چیز سے ملا کر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ سمجھتا چلا جاتا ہے کہ یہ، یہ ہے۔ اور یہ، یہ ہے۔ اس عمل کی سرعت کا اندازہ کسی مقررّ کے منہ سے ابلتی ہوئی تقریر کے الفاظ کے سیلاب میں نفس کے ہر لفظ کے مفہوم کو پرانے ریکارڈ کے حوالہ سے بلا تامّل اور بہ آسانی سمجھتے چلے جانے سے کیا جاسکتا ہے۔

اب یہ غور کیجئے کہ یہ سارا عمل کہاں ہو رہا ہے؟

ظاہر ہے ہمارے اندر ہو رہا ہے۔

اور کون کر رہا ہے؟

ہمارا نفس کر رہا ہے۔

مگر کیا ہمارا نفس جان رہا ہے کہ وہ کر رہا ہے؟

نہیں۔ بس کر رہا ہے۔ بغیر یہ جانے ہوئے کہ کر رہا ہے۔

یہی اس کی بیہوشی اور بے خبری ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اس بے خبری کے عالم میں اگر نفس ہم پر حکم صادر کر رہا ہے اور ہم اس کے ہر حکم کی بے چوں و چرا تعمیل کرتے چلے جا رہے ہیں تو کیا ہماری حالت کسی ایسے جہاز جیسی نہیں ہے جو ہوا میں معلّق ہے اور اس کا ہوا باز بیہوش ہے؟

اب دیکھیں کہ نبی کریم صلعم کا مشن کیا تھا؟

وہ نفس انسانی کے تزکئے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ مگر نفسِ انسانی میں وہ نجاست کون سی ہے جس کے تزکئے کی ضرورت ہے۔ قرآن کے مطابق وہ نجاست شرک کی ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا شرک سے کیا تعلّق۔ شرک تو وہ کرتے ہیں جو بُت پوجتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمام بُتوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو ماننے سے تو انسان صرف شرکِ جلی سے نکلتا ہے، شرکِ خفی ہمارے نفسوں میں جوں کا توں موجود رہتا ہے۔ قرآن حکیم کی کئی آیات میں ہے کہ ہم جب خطرے میں ہوتے ہیں تو اللہ کو خلوص سے پکارتے ہیں مگر اِدھر خطرہ ٹلا اُدھر مشرک ہو جاتے ہیں۔ (فَاِذَا رَکِبُوْ فِی الْفُلْکِ دَعَوُاللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰیھُمْ اِلَی الْبَرِّاِذَا ھُمْ یُشْرِ کُوْنَ۔) (سورۂ عنکبوت۔ آیت نمبر: ٦٥)

اس دورنگی کی وجہ نفس کی غفلت ہے۔ یہ بہت سے کام کرتا رہتا ہے مگر بے یقینی کے عالم میں۔ دانشوروں نے تو اب یہ بات حتمی طور پر کہہ دی ہے کہ انسانی نفس بیرونی دنیا کے لئے نیم شعوری حالت میں ہے مگر اپنے باطن کے لئے قطعاً بے شعور ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ''تمہیں تو بڑھوتری کی چاہ نے ہی غفلت میں رکھا یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کر لی''۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ نفس میں ''شرک'' اور ''غفلت'' کی دو نجاستیں موجود ہیں۔ شرک کی نجاست جب یہ اپنے احکامات کو اللہ کے احکامات پر ترجیح دیتا ہے اور مقام کبریا کو اپنے لئے غصب کر لیتا ہے اور غفلت کی نجاست جب سب کچھ کرتے ہوئے بھی اسے اپنے کئے کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ان نجاستوں سے نفس کو پاک کرنا نبوّت کا ایک اہم مشن اور مقصد تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اسے صوم وصلوٰۃ اور دیگر ارکان دین کا پابند کیا گیا مگر مشاہدے میں یہ حقیقت آئی کہ کوئی رُکن کارگر نہیں ہوتا اور یہ جوں کا توں اللہ کا مدّ مقابل اور غفلت پوش بنا رہتا ہے۔ ہاں ایک بات دیکھنے میں ضرور آئی کہ چاہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر ارکان اسے زیر کرنے میں ناکام ہوتے ہوں مگر غم واندوہ کے لمحات میں یہ سرنگوں ہو جاتا ہے۔ اپنی فرعونیت چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ کے آگے سر جھکاتا ہے اور ہوش میں آتا ہے مگر اس میں بھی شرط یہ ہے کہ وہ غم اس کے کسی اپنے کا غم ہو۔ دوسرے کے غم میں یہ نہ دل سے شریک ہوتا ہے نہ ہوش میں آتا ہے۔ دفع الوقتی کے لئے رسمی طور پر روتا ہے اور پھر ''دھوبی بیٹا چاند سا'' ہو جاتا ہے۔

نفس کی اسی فطرت کے مطابق اور اس کی تطہیر کی حتمی تدبیر کے طور پر ختمی مرتبت صلعم نے پہلے خود کو پیش کیا اور طایف کے بازاروں میں خون میں نہائے اور پھر مباہلہ کے لئے منتخب ہونے والے نفوسِ قدُسی کو اور اُن کی پشت در پشت معصوم اولاد کو پیش کیا کہ اگر میں تمہیں عزیز ہوں تو ان کے غم کو اپناؤ اور اپنی عاقبت سنوارو!

سنو!

یہ اہلِ بیتؑ ہیں جو خلق کے مظہر ہیں
یہی تو ذکر بھی ہیں اور یہی مذکر ہیں
یہی حجابِ اثر ہیں ، یہی موثر ہیں
یہی ہیں امرِ الٰہی ، یہی مدبّر ہیں
حسینؑ اِن میں ممیز نشان رکھتا ہے
وہ اپنی سب سے نرالی ہی شان رکھتا ہے

ادیم نقوی

درد اور غم میں فرق ہے۔ درد سے صرف جسمانی اذیّت ہوتی ہے۔ غم روح کو مجروح کرتا ہے۔ ایسا دلدوز غم صرف اسی طرح مہیّا کیا جا سکتا ہے کہ کوئی عدیم المثال المیہ برپا کیا جائے۔ نفس غم سے بھاگتا ہے۔ یہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ جو لوگ آلام ومصائب کا شکار ہو جاتے ہیں یا ناگہانی نقصان میں آ جاتے ہیں وہ شراب، جوئے اور دوسری مکروہات میں خود کو ملوّث کر لیتے ہیں۔ ایسا کر کے وہ صرف غم کو بھلانا چاہتے ہیں یا یہ کہیں کہ غم سے غافل ہونا چاہتے ہیں۔ نفس کو غفلت پسند ہے۔ اسے غفلت میں مزہ آتا ہے۔ نیند اسے اچھی لگتی ہے۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ لوگ سو رہے ہیں۔ جب مریں گے تب جاگیں گے۔

لہٰذا اگر نفس سو رہا ہے تو سوتے میں اللہ اور رسولؐ کا ماننا اور جنت، جہنم، حشر نشر کا اقرار کرنا سب بیکار ہے۔ یہ تو اپنے آپ کو دھوکا دینے والی بات ہے۔ موت کے وقت جب بقول نبی کریم صلعم واقعی جاگیں گے تو حقیقتاً کچھ بھی مانا ہوا نہ ہوگا اور ہمارے تمام اعمال مشی فی النوم

کے اس مریض جیسے ہوں گے جو گہری نیند میں بھی چلتا پھرتا اور بولتا چالتا ہے مگر جب جاگتا ہے تو اسے کچھ بھی یاد نہیں ہوتا کہ اُس نے کیا کیا ہے۔ یہ ایک نہایت خطرناک صورت حال ہے اور نفس کو اگر اسی طرح سوتا چھوڑ دیا گیا تو یہ اپنے ناعاقبت اندیش کاموں سے خود کو نہ صرف اس دنیا میں ہلاک کر لے گا بلکہ عقبیٰ میں بھی اس کا درحقیقت مانا ہوا نہ کوئی خدا ہوگا نہ رسولؐ نہ دین نہ ایمان۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں، اماموں اور ہادیانِ دین نے خود کو ہمیشہ برضا و رغبت المناک شہادتوں، طرح طرح کی صعوبتوں اور قربانیوں کے لئے پیش کیا تاکہ غم و الم مہیا ہو جو نفسِ انسانی کو جھنجھوڑے اور جگائے۔ جب یہ جاگ جائے گا تو وہی کرے گا جو ہم کہیں گے۔ ابھی ہم وہ کر رہے ہیں جو یہ کہہ رہا ہے۔

غم شہوات اور ھویٰ کو کھا جاتا ہے۔ وہ مفلوج ہو جاتے ہیں۔ غم کی شدّت محبّت کی شدّت کے مطابق ہوتی ہے۔ جس کو اپنے محبوب سے جتنی شدید محبت ہوتی ہے اس کو اس کے مصائب کا اتنا ہی شدید غم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فرد کے غم کے مدارج مختلف ہوتے ہیں۔ کسی نمازِ جنازہ میں اس باپ کی کیفیتِ غم جس کے اکلوتے جوان بیٹے کا جنازہ رکھا ہو یا اس بیٹے کے دل کا حال جس کے شفیق باپ کی میّت سامنے ہو، یقیناً دوسرے نمازیوں سے بہت زیادہ اندوہناک ہوگی اور ان لمحات میں اس باپ یا بیٹے کی خواہشات و جذبات قطعاً مفلوج اور مردہ ہوں گے۔ نفس امّارہ کے احکامات کا سلسلہ بند ہوگا۔ نہ وہ ہوں گے نہ اللہ کے احکامات سے ان کا ٹکراؤ ہوگا۔ نہ شرک ہوگا نہ معصیّت۔ نفس پاکیزگی کے عالم میں ہوگا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوں گی۔ یہ بیدار و ہوشیار ہوگا۔ اسے یہ بے ثبات دنیا اور دنیوی زندگی اپنے اصلی روپ میں نظر آ رہی ہوگی۔ غم نفس کی تطہیر کر کے اسے قُربِ الٰہی کی منزل پر لے آیا ہوگا اور مکروہات سے گلوخلاصی ہو چکی ہوگی۔ مگر افسوس کہ ایسے لمحات کا دورانیہ بہت مختصر ہوتا ہے۔

یہ دورانیہ صرف اس ایک ذاتِ گرامی کی یادِ پیہم اور ذکرِ مسلسل سے بڑھایا جا سکتا ہے جس نے اپنا سب کچھ دے کر غم والم کے کبھی خشک نہ ہونے والے دریا بہائے ہیں اور نفسِ انسانی کی مسلسل اور مستقل بیداری کا ایسا اہتمام کیا ہے جس کی مثال تاریخ انسانی میں اور کہیں نہیں ہے۔ وہ جس کی قربانیاں ازل سے ابد تک کی تمام قربانیوں پر بھاری ہیں۔ اُس امامِ عاشقاں پورِ بتولؑ، علیؑ کے لعل اور رسولِؐ عربی کے نواسہ کے لئے اللہ نے قرآن میں کہا:

''اور وہ جو مظلوم قتل کیا گیا اس کے ولی کو ہم نے بیشک (انتقام کا) اختیار دیا ہے اور اس کو (اللہ کی) نصرت بھی حاصل ہے پھر بھی (امید ہے کہ) وہ قتال میں نرمی کرے گا''۔ (بنی اسرائیل۔ آیت نمبر: ۳۳)

وہ محسنِ انسانیت جس کی بارگاہِ قُدس میں جوشؔ نے منقبت کا یہ نذرانہ پیش کیا:

اے حسینؑ ابنِ علیؑ اے بندۂ یزداں صفات
نور سے تیرے جھمکتی ہے جبینِ کائنات
محو ہو جائیں اگر دنیا سے تیرے واقعات
گنبدِ تاریخ پر چھا جائے ہیبت ناک رات

بھول سکتا ہی نہیں انسان قربانی تری
حافظہ کے فرق کا جھومر ہے پیشانی تری

اِس محسنِ انسانیت کے والدین یعنی بتولؑ عذرا اور علیؑ الاعلی عالمِ انسانیت کے وہ واحد والدین ہیں جن کے دس معصوم بیٹے پشت در پشت انسان کو بیدار کرنے کی تدبیر کرتے ہوئے دشمنانِ انسانیت درندوں کے ہاتھوں یا تو قتل ہوئے یا زہر سے شہید ہوئے یا نذرِ زنداں ہو گئے۔ جان دے کر مخلوق کو خالق کی بندگی کے آداب سکھانا ولایتِ مطلقہ کا خاصّہ ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ نبوّت ولایت کی داعی ہے۔

حُبِّ حسینؑ حُبِّ نبیؐ سے پیدا ہوتی ہے۔ دونوں محبتوں کا محور ایک ہے۔ دونوں کی شدت لازم وملزوم ہے۔ ایک کی محبت دوسرے کی محبت کو مہمیز کرتی ہے۔ نبی کریم صلعم کا مشن نفسِ انسانی کو شرک اور غفلت کی نجاست سے پاک کرنا تھا۔ حسینؑ نے غم مہیّا کر کے اُسے ممکن کیا۔ نفس غم سے مغلوب ہوگیا۔ شھوات وھویٰ سے نجات ملی یعنی اسے موت سے پہلے موت آ گئی اور یہی جناب رسالتمآب صلعم کا حکم تھا کہ ''موتوقبل انتمو تو'' (موت سے پہلے مرجاؤ۔) اب بارگاہِ رسالت کا وہ فرمان واضح ہوا کہ ''حسینُ مِنّی و اناَ مِنَ الحسینؑ'' (حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔) حق ہے۔ ظہور سے کربلا تک حسینؑ رسولؐ سے ہیں اور کربلا سے قیامت تک رسولؐ حسینؑ سے ہیں۔

عزیزانِ گرامی! اپنے نفس کے باطن میں شھوات وھویٰ کی پسپائی کے حوالہ سے غمِ حسینؑ کی اثر انگیزی کا موازنہ مذہب کے مروّجہ دیگر ارکان سے کریں تو پتہ چلے کہ اصلِ دین اور عینِ عبادت کیا ہے۔ ادیم نقوی اعلی اللہ مُقامَہ نے کیا خوب کہا کہ ''ہر اک عمل سے ہے افضل غرض حسینؑ کا ذکر''۔ حقیقت یہ ہے کہ صلوٰۃِ حقیقی کی ادائیگی کربلا کے حوالہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

کربلا میں نوعِ انسانی کو شھوات وھویٰ سے پاک کر کے نمازِ عشق کی ادائیگی کے آداب اس سلیقہ سے سکھائے گئے کہ ہر سِن وسال اور ہر جنس کی نمائندگی پیشِ نظر رہی۔ کہتے ہیں کہ جس نے مَردوں کی مصیبت کو دیکھا اس نے کچھ نہیں دیکھا، اسے عورتوں کی مصیبت کو دیکھنا چاہئے اور جس نے عورتوں کی مصیبت کو دیکھا اس نے کچھ نہیں دیکھا، اُسے بچّوں کی مصیبت دیکھنا چاہئے۔

حسینؑ مظلوم کے اُن عزاداروں کے تصوّر میں جن کے آنسو اُس محسنِ انسانیت کا خیال

آتے ہی اُبل پڑتے ہیں کربلا کا بیابان آج بھی پیاسے بچّوں کے جگر دوز سوالوں سے گونج رہا ہے۔ اُن میں سب سے چھوٹا بچّہ چھ مہینہ کا تھا۔ وہ بے زبان تھا۔ اسے بولنا نہیں آتا تھا۔ اُس نے اپنی سوکھی زبان دکھا کر پانی مانگا تھا مگر جواب یہ آیا کہ:

ہاتھ پر قافلہ سالار کے اِک طفلِ صغیر
فدیۂ راہِ خدا، تشنہ دہان وبے شیر
مُوردِ جورو جفا، بے گنہ وبے تقصیر
نازنیں حلق پہ کھائے ہوئے اِک ظلم کا تیر
تیر وہ جس نے کہ فطرت کا کلیجہ چھیدا
سینۂ ختمِ رُسُل اور دلِ زہراؑ چھیدا

اِس بچّہ کا حال سن کر چھوٹے بچّے آج بھی رو دیتے ہیں۔

اور جلتے ہوئے خیموں سے نکل کر صحرا میں بھاگتی ہوئی وہ بیبیاں جن کے ہاتھ پسِ گردن سے باندھکر شہروں اور بازاروں میں پھرایا جارہا تھا آج بھی اپنی عزادار خواتین کو خون کے آنسو رلاتی ہیں۔ یہ خواتین کہتی ہیں کہ:

جو جلایا گیا اُس خیمۂ عصمت کی قسم
جو بہایا گیا اُس خونِ حمیّت کی قسم
جنسِ نسواں کی سسکتی ہوئی غیرت کی قسم
یعنی بے پردگیِ آلِ رسالت کی قسم
قسم اُن کی جو پھرائی گئیں بازاروں میں!
قسم اُن کی کہ جو لائی گئیں درباروں میں!

ہم کو اِن سب کی قسم ہے کہ خود کو شھوات وھویٰ سے پاک رکھیں گے۔

اور مرد سینہ کوبی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہائے:

ضربِ شمشیر سے مجروح سرا پا کوئی
دونوں ہاتھوں کو کٹائے ہوئے سقہ کوئی
سینۂ صاف پہ کھائے ہوئے نیزہ کوئی
پارہ پارہ تبر و تیر سے دولھا کوئی

سب کے سب راہروِ منزلِ الفت بے سر!
معِ سردار جماعت کی جماعت بے سر!

وہ سر جھکا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

اے شھوات وھویٰ سے ہمارے نفوس کا تزکیہ کرنے والے
رسولؐ و بتولؑ کے پیارو تم سب پر ہمارا سلام ہو۔

محترم قاری! کیا آلِ پاک کے مصائب کا بیان پڑھ کر آپ پر گریہ طاری ہو گیا ہے؟ کیا آپ رو رہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ٹھہریئے۔ اِن لمحات کو جانے نہ دیجئے۔ اِن کے دورانیہ کو بڑھائیے۔ یہ ذکر بار بار کیجئے۔ نفس غمِ حسینؑ سے مغلوب ہو چکا ہے۔ اب اِس میں کوئی خواہش کوئی جذبہ نہیں ہے۔ یہ شھوات وھویٰ سے پاک ہے۔ اِس میں اب صرف غمِ حسینؑ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ حسینؑ جو صرف مسلمانوں ہی کا محسن اور نجات دہندہ نہیں ہے بلکہ وہ ہر اُس شخص کا نجات دہندہ ہے جو اُسے اپنائے اور اُسکے اندوہناک مصائب کی یادِ پیہم سے اپنے نفس کو شھوات وھویٰ سے پاک کرے۔

عزیزو! یہ غم اُس وقت شدید ہو جاتا ہے جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہائے ہم ایسے خبیث النفس لوگوں کی تطہیر کے لئے اللہ کے کیسے نیک اور پاک بندوں نے اپنی جانیں دیدیں۔ اور عزادارو! یہ غم اُس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب ہمیں اُس رحمتہ اللعالمینؐ رسولِ عربی کی یاد آتی ہے جس نے اپنے گھر کے تمام مَردوں، عورتوں، بوُڑھوں، جوانوں اور بچّوں کو صرف اِس امید میں آلام و مصائب کے حوالہ کر دیا کہ ہم کم از کم اُسؐ کے اور اس کے اہلِ بیتؑ کے غم کو تو نظر انداز نہیں کریں گے اور اُن کے غم میں ڈوب کر موت سے پہلے شھوات وھویٰ سے پاک ہو جائیں گے۔

اللہ کرے ایسا ہو۔۔۔۔۔۔آمین۔

والسلام
خاکپائے اہلِ عزا
طالب دعا
شبیر بلگرامی۔